حالات زندگی

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

پیشکش: آئی ہادی اسلام آباد پاکستان

www.ihadi.net
+92 346 51 21 225
ihadi.net
ihadi.net@gmail.com

نام کتاب: حالات زندگی امام حسن مجتبی علیہ السلام

تدوین وترتیب: اصغر مرزا، نیاز شیدائی، اشرف حسین کاملی

پیشکش: آئی ہادی اسلام آباد پاکستان

اشاعت: نومبر 2017ء، صفر المظفر 1439ھ

فہرست

حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام کی حالات زندگی

امام حسن مجتبیؑ دوسرے امام، چوتھے معصوم اور اصحاب کسا میں سے ہیں۔ آپ امام علیؑ اور حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کے فرزند اور پیغمبر اکرمؐ کے بڑے نواسے ہیں۔امام حسن مجتبیؑ 37 سال کی عمر میں امامت اور خلافت کے منصب پر فائز ہوئے اور سنہ 41 ہجری کو معاویہ کے ساتھ صلح کی۔ آپ کی حکومت کا دور چھ مہینے اور تین دن تھا۔ صلح کے بعد مدینہ چلے گئے اور 10 سال تک مدینہ میں رہے اور وہیں جام شہادت نوش کیا[1] اور بقیع میں سپرد خاک کئے گئے۔

امامت اور خلافت کی بھاری ذمہ داری کو بخوبی نبھانا، مسلمانوں کے درمیان اتحاد و ہم بستگی کی فضا قائم کرنے اور انہیں انتشار و افتراق سے بچانے کی خاطر نہایت اہم کردار ادا کیا یہاں تک کہ اس کے لئے آخر کار آپؑ کو معاویہ کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ یہ ایسے حقائق ہیں جو آپ کی مستحکم شخصیت اور حلم وبردباری کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ آپ کی خلافت اور معاویہ کے ساتھ صلح آپؑ کی زندگی نیز صدر اسلام کے اہم ترین واقعات میں سے شمار ہوتی ہے۔ اس دور کو مد نظر رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے زمانے میں بھی اتحاد کے اسباب فراہم کئے اور اپنے بعد کے ادوار اور پوری تاریخ ،مسلمانوں اور خاص طور پر شیعوں کے لئے ایک دینی اور اخلاقی نمونہ عمل بنے۔طاقت و اقتدار، جنگ اور امن وغیرہ جیسے مفاہیم پر گہرے اور حیرت انگیز اثرات مرتب کئے۔[2]

تعارف

نسب

حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہاشمی و قرشی امام حسن مجتبیؑ کے نام سے معروف ہیں۔ آپ پیغمبر اسلامؐ کے بڑے نواسے اور حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ علیہاالسلام کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔[3]

ولادت

امام حسنؑ مدینے میں پیدا ہوئے۔[4][5] قول مشہور کے مطابق، آپؑ کی تاریخ ولادت، 15 رمضان سنہ تین ہجری ہے۔[6][7] البتہ بعض مآخذ نے آپؑ کا سال ولادت سنہ دو ہجری بیان کیا ہے۔[8][9][10]

ولادت کے بعد پیامبرؐ نے آپؑ کے کان میں اذان کہی[11][12][13] اور ولادت کے ساتویں دن ایک دنبے کا عقیقہ دیا۔[14][15][16]

تسمیہ

لفظ "حسن" کے معنی صاحب حسن کے ہیں اور یہ نام رسول اللہؐ نے آپؑ کیلئے رکھا[17][18][19] بعض احادیث میں اس نام کا تعین وحی الہی سے منسوب ہے[20][21] بعض اقوال کے مطابق "حسن اور حسین "کے نام ہارونؑ کے بیٹوں "شبر اور شبیر" کے ناموں کے معادل اور ہم معنیٰ

ہیں۔[22] قابل ذکر ہے کہ یہ دو نام بہشتی ناموں میں سے ہیں اور اس سے پہلے عربوں میں یہ نام رواج میں نہ تھے۔[23] اہل سنت کے مآخذ میں روایت ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے، رسول اللہؐ کی طرف سے "حسن" کا نام رکھے جانے سے قبل اپنے بیٹے کے لئے "حمزہ[24]" یا حرب[25] کا نام منتخب کیا تھا تاہم آپؐ نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ بیٹے کے نام گزاری میں رسول اللہؐ سے سبقت نہیں لیں گے۔[26] اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالی نے جبرائیل کو حکم دیا کہ تہنیت اور مبارکباد کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور کہہ دیں کہ "اللہ کا ارشاد ہے اپنے اس بیٹے کا نام "ہارون" کے بیٹے کے نام پر "شبر" رکھیں"، جبرائیل نے پیغام پہنچایا تو رسول اللہؐ نے فرمایا: میری زبان عربی ہے۔ تو جبرائیل نے عرض کیا "اس فرزند کا نام "حسن" رکھیں اور رسول خداؐ نے آپؑ کا نام "حسن" رکھا۔[27]

کنیت

تقریبا تمام تر مآخذ میں امام حسنؑ کی کنیت "ابو محمد" ہے۔[28][29][30] خصیبی نے ابو محمد کے علاوہ "ابوالقاسم" کو بھی آپؑ کی کنیت کے عنوان سے نقل کیا ہے۔[31]

القاب

کتاب القاب الرسول وعترتہ میں حسنین کے مشترکہ القاب، کچھ یوں ہیں:

- سبط رسول اللہ یا سبط الرسولؐ
- ریحانۃ نبی اللہؐ؛
- سید شباب اہل الجنۃ؛
- قرۃ عین البتول؛
- عالم؛
- مُلہم الحق؛
- قائد الخلق۔[32]

ابن ابی الثلج نے الْأَمِيرُ، الْحُجَّةُ، الكَفِيُّ، السِّبطُ اور الْوَلِيّ کو آپ(ع) کے القاب کے طور پر نقل کیا ہے،[33] ابن شہر آشوب اور دوسروں نے **سبط اول، امام ثانی، مقتدی ثالث، ذکر رابع**، اور **مُباہل خامس**[34] وغیرہ۔ امام حسن مجتبی کے لئے شیعہ مآخذ میں بہت سے اسماء اور القاب تلاش کئے جاسکتے ہیں۔[35]" مجتبی، زکی، تقی اور کریم اہل بیت"، شیعیان اہل بیت کے ہاں آپؑ کے معروف القاب ہیں۔ ابن طلحہ شافعی" تقی" کو آپؑ کا مشہور ترین اور "سید" کو مقدس ترین لقب قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا"" :۔[36]

نقش

امام حسن مجتبیؑ کی انگشتری کے دو نقش منقول ہیں:

الْعِزَّةُ لِلّٰه؛[37]۔[38] اور حَسْبِیَ اللّٰهُ۔[39]

ازواج اور اولاد

ازواج

امام حسنؑ کی شادیوں اور زوجات کی تعداد کے بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔[40] بعض نے آپؑ کی زوجات کی تعداد 300،[41][42] بعض نے 200،[43] بعض نے 90،[44] اور بعض نے 70 تک[45] بتائی ہے؛ جبکہ امامؑ کی یہ مبالغہ آمیز تعداد معتبر مآخذ میں مذکور آپؑ کی ازواج اور اولاد کے اسماء کے ساتھ کسی طور پر ہمآہنگ اور متناسب نہیں ہے۔[46] بعض کتب نے ان روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ خاص طور پر قبول کرنا پڑے گا کہ مآخذ میں دی ہوئی معلومات بہت مبہم اور غیر واضح ہیں اور حتی کہ اس معصوم کی زوجات کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ان زوجات میں صرفجعده بنت[اشعث بن قیس]]کانام واضح ہے جس نے-روایات کے مطابق-امامؑ کو زہر دینے کے اسباب فراہم کئے۔زوجات کے ناموں کے حوالے سے ابہام کے باوجود، منابع و مآخذ میں امامؑ کی اولاد کی تعداد کے سلسلے میں مطابقت پائی جاتی ہے اور اسی بنیاد پر ان کی ماؤں کا تعین ممکن ہو جاتا ہے؛ منجملہ **خولہ بنت منظور بن زبّان فزاری**، ام بشیر بنت عقبہ بن عمرو خزرجی، ام اسحق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی، ابو بکر بن ابی قحافہ کی پوتی حفصہ اور ہند بنت سہیل بن عمرو۔[47]

مؤرخین نے ائمہؑ کی حیات طیبہ کے بارے میں وسیع ترین تحقیق کے باوجود، 18 خواتین کو آپؑ کی زوجات کے طور پر پہچنوانے کی کوشش کی ہے جن میں سے پانچ کے نام مذکور نہیں ہیں بلکہ صرف ان کے قبائل کے نام مذکور ہیں۔[48] آپؑ کی بعض ازواج کے نام۔جنہیں اکثر مآخذ نے نقل کیا ہے۔حسب ذیل ہیں:

امام حسن مجتبی کی ازواج و اولاد

1. جعدہ بنت اشعث بن قیس
2. ام بشیر بنت ابو مسعود عقبۃ بن عمر انصاری؛
3. خولہ بنت منظور بن زیاد فزاری؛
4. حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابی بکر
5. ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی

6. ہند بنت سہیل بن عمرو
7. نُفیلہ یا رَملہ (کنیز)۔

اولاد

امام حسنؑ کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شیخ مفید کے مطابق آپؑ کے اولاد کی تعداد 15 ہے:

- زید اور ان کی دو بیٹیاں ام الحسن اور ام الحسین۔ ان تینوں کی والدہ ام بشیر بنت ام بشیر بنت ابی مسعود عقبہ بن عمرو تھیں۔
- حسن بن حسن۔ ان کی والدہ خولہ بنت منظور فزاری تھیں۔
- عمرو اور ان کے دو بھائی قاسم اور عبد اللہ؛ جن کی والدہ امّ وَلَد تھیں۔
- عبد الرحمن، جن کی والدہ امّ وَلَد تھیں۔
- حسین -جن کا لقب اثرم ہے؛ اور ان کے بھائی طلحہ اور بہن فاطمہ، جن کی والدہام اسحق بنت طلحہ بن عبید اللہ التیمی تھیں۔
- ام عبد اللہ، فاطمہ، ام سلمہ اور رقیہ آپؑ کی بیٹیاں اور مختلف ماؤں سے ہیں۔[49]

علامہ مجلسی ایک بیٹے ابو بکر کو آپؑ کی اولاد میں گنتے ہیں۔[50]

شیخ طبرسی کے مطابق، آپؑ کی اولاد میں 9 بیٹے اور سات بیٹیاں شامل ہیں۔[51]

ابن جوزی، ابن ہشام اور واقدی کے نزدیک آپؑ کے اولادوں میں 15 بیٹے اور 8 بیٹیاں شامل ہیں۔[52]

جہاں تک معلوم ہے، آپؑ کی بیٹیوں میں سے ام الحسین عبد اللہ بن زبیر کے حبالۂ نکاح میں آئیں، ام عبد اللہ امام سجادؑ کی زوجیت میں آئیں اور ام سلمہ عمرو بن منذر بن زبیر کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔[53]

نسل امام حسن

حسنی سادات

امام حسن مجتبیٰؑ کے فرزندوں میں سے "حسن مثنی، زید، عمر اور حسین اثرم صاحب اولاد ہوئے۔ حسین اثرم اور عمرو کی اولاد بہت جلد ختم ہوئی اور صرف حسن مثنی اور زید بن حسن کی نسل باقی رہی۔[54]

امام حسنؑ کی اولاد حسنی سادات کے نام سے مشہور ہے۔[55] اس خاندان نے تاریخ میں متعدد سیاسی اور سماجی تحریکوں کی قیادت کی ہے۔ انھوں نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں متعدد تحریکیں چلائیں اور اسلامی دنیا کے مختلف ممالک میں حکومتیں قائم کی جن میں سے بعض حکومتیں

اب تک قائم ہیں۔ سادات کا حسنی سلسلہ بعض ممالک میں "اشراف" کے نام سے مشہور ہے۔ طباطبائی، مدرس، حکیم، شجریان اور گلستانہ نامی خاندان، حسنی سادات کی شاخیں ہیں۔

امامت سے پہلے

رسول اللہؐ کے حضور

امام حسن علیہ السلام نے اپنی عمر کے سات سال رسول اللہؐ کے دور میں بسر کئے۔[56][57] امام حسنؑ نے نہ صرف رسول اللہؐ کے حضور کا ادراک کیا بلکہ ہجرت کے دور کے بہت سے واقعات میں بھی آپؑ ہمراہ تھے؛ جیسے واقعۂ مباہلہ۔ آپؑ حدیث کساء اور آیت تطہیر کے مصادیق میں سے ہیں، اور یہ آپؑ کی عصمت کے دلائل میں سے بھی ہے۔ علاوہ ازیں، آپؑ اپنے بھائی حسینؑ کی معیت میں بیعت رضوان میں بھی حاضر تھے۔[58]

شیعہ اور سنی مآخذ میں امام حسن مجتبیٰؑ کی شان و منزلت میں قابل توجہ روایات پیغمبر اسلامؐ سے وارد ہوئی ہیں۔ براء کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ پیغمبرؐ نے حسن بن علیؑ کو اپنے کندھے پر سوار کیا تھا اور اسی حال میں اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرتے ہوئے التجا کر رہے تھے: **یارب! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔**[59]

ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے حسن اور حسینؑ کو اپنے زانو پر بٹھائے ہوئے بارگاہ رب میں التجا کر رہے تھے: **اے اللہ! یہ دو میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، خدایا! میں انہیں دوست رکھتا ہوں، پس تو بھی انہیں دوست رکھ اور ان لوگوں کو دوست رکھ جو انہیں دوست رکھتے ہیں۔**[60]

پیغمبر اکرمؐ نے حسنینؑ کی شان میں فرمایا: **حسن اور حسین جوانان جنت کے دو سردار ہیں۔**[61][62] اور **میرے یہ دو بیٹے اس دنیا سے میرے دو خوشبودار پھول ہیں۔**[63][64] اور **حسن اور حسین امام ہیں خواہ یہ قیام کریں خواہ صلح کریں؛ نیز اگر عقل ایک مرد کے وجود میں مجسم ہوتی تو بے شک وہ مرد حسن کے سوا کوئی نہ ہوتا۔**[65]

خلفائے ثلاثہ کا دور

خلفائے ثلاثہ پر امام حسنؑ کے اعتراض کے بارے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں؛ بطور مثال سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے کہ بچپنے کے ایام میں ایک دن امام حسنؑ ابو بکر کے منبر رسو پر خطبہ دینے کے دواران آئے تو امام حسنؑ نے گرج کر ابو بکر پر اعتراض کیا اور فرمایا: میرے والد کے منبر سے نیچے اترو۔ ابو بکر نے کہا: خدا کی قسم! آپ سچ بول رہے ہیں یہ منبر یقیناً آپ کے والد کا ہے نہ کہ میرے والد کا۔[66]

ایران کی فتح پر ختم ہونے والی جنگوں میں امام حسن اور امام حسینؑ کی شرکت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سید جعفر مرتضی عاملیجیسے کئی محققین کے مطابق امام حسن اور امام حسینؑ نے ان جنگوں میں شرکت نہیں کی اور جن روایات سے ایران کے ساتھ جنگ میں امام حسنؑ کی شرکت ظاہر ہوتی ہے، ان کی تاریخی بنیاد بہت ضعیف ہے[67]

عمر سے اگلے خلیفہ کی طرف اقتدار کی منتقلی اور اس شوریٰ کی تشکیل۔جو آخر کار تیسرے خلیفہ کے عنوان سے عثمان کے انتخاب پر ختم ہوئی۔ میں عمر نے امام حسنؑ سے درخواست کی کہ شوری میں بطور شاہد، کردار ادا کریں اور یہ بات اہمیت کے بہت اعلی درجے پر ہے۔ یہ امر ایک طرف سے اہل بیت رسولؐ کے ایک رکن کی حیثیت سے امام حسنؑ کے معاشرتی مرتبت و منزلت کا ثبوت ہے تو دوسری طرف سے مہاجرین اور انصار کے درمیان آپ کی سماجی عظمت واہمیت اور ذاتی منزلت کی دلیل ہے۔[68][69][70][71]

جب عثمان نے ابوذر کو ربذہ جلاوطن کیاتو حکم دیا کہ کوئی بھی ابوذر کو وداع کرنے نہ جائے اور نہ ہی ان کی ہمراہی کرے، نہ ہی ان کے ساتھ کوئی کلام کرے؛اور مروان کوہدایت کی کہ ابوذر کو مدینے سے نکال باہر کرے!۔ جس وقت ابوذر شہر سے باہر جارہے تھے کسی میں ان کے ساتھ چلنے کی جرأت نہ تھی اور صرف علیؑ، آپ کے بھائی عقیل، حسن، حسین اور عمار نے مدینے سے باہر تک ابوذر کی ہمراہی کی اور ان سے وداع کیا۔[72] خلیفۂ ثالث کے خلاف عوامی جماعتوں کی شورش کے وقت، امام علیؑ نے اپنے نوجوان بیٹوں حسنینؑ کو خلیفہ کی رہائشگاہ بھجوادیا، البتہ مآخذ میں اس واقعے کی تفصیلات مختلف روشوں سے نقل ہوئی ہیں۔[73][74][75][76][77][78]

حضرت علیؑ کا دور

امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اپنے والد کے ہمراہ جمل، صفین اور نہروان میں شرکت کی۔[79] امام علی علیہ السلام کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت سے لے کر آپ کی شہادت تک امام حسن مجتبیؑ نے آپ کے طاقتور ترین بازو کا کردار ادا کیا۔ بیعت کے دوران آپ پوری سنجیدگی سے حاضر و فعال تھے .ناکثین، قاسطین اور مارقین کے خلاف) جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان (کی جنگوں میں موجود تھے۔ جنگ جمل سے قبل بھی عمار یاسر اور قیس بن سعد کو ساتھ لے کر کوفہ پہنچے اور ابوموسی اشعری کا فتنہ ناکام بنانے کے بعد عوام کو بصرہ میں ناکثین کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ کبھی کبھی آپ اپنے والد امیر المؤمنینؑ کی جگہ نماز جمعہ بپا کیا کرتے تھے۔[80]

جنگ جمل

جب کوفہ کے والی ابوموسی اشعری نے جنگ جمل بپا کرنے والے باغیوں کی بغاوت کا سد باب کرنے کے سلسلے میں امیر المؤمنینؑ کے ایلچیوں کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کیا، تو امام علیؑ نے بیٹے امام حسنؑ کو ایک خط دے کر عمار یاسر کے ہمراہ کوفہ روانہ کیا۔ امام حسنؑ نے مسجد کوفہ میں عوام سے خطاب کیااور تقریبا10000 کوفیوں کو عثمانی(کہلوانے والے)باغیوں کے خلاف جنگ کے لئے تیار کیا۔[81]

امام حسنؑ نے جنگ جمل سے قبل خطبہ دیا۔[82] اور امیر المؤمنینؑ نے اس جنگ میں آپ کو اپنی سپاہ کے میمنہ (دائیں بازو) کا کمانڈر قرار دیا۔ [83] مروی ہے کہ اس جنگ میں حضرت علیؑ نے بیٹے محمد بن حنفیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ نیزہ اٹھاؤ اور جمل [یعنی عائشہ کے اونٹ، جس کے سامنے بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے تھے] کی کونچ کاٹ دو۔ محمد آگے بڑھے لیکن تیروں کی شدید بارش کی وجہ سے پسپا ہوئے۔ نیزہ امام حسنؑ نے اٹھایا اور جاکر اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔[84]

جنگ صفین

جنگ صفین میں جب امام علیؑ نے امام حسنؑ کی رزم آرائی کا مشاہدہ کیا تو آپ نے امام حسن اور آپ کے بھائی امام حسین) علیہما السلام) کی جان کا تحفظ کرنے کی خاطر انہیں واپس بلوانے کا حکم دیا۔ امام علیؑ نے فرمایا" : **میرے بیٹوں کو جنگ سے باز رکھو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ان کی جانیں خطرے سے دوچار نہ ہو جائیں اور مجھے خدشہ ہے کہ مبادا رسول اللہؐ کی نسل ہی منقطع ہو جائے۔**[85]

جنگ میں جب معاویہ نے امام حسنؑ کے معرکہ کا مشاہدہ کیا تو مختلف وعدوں کے ذریعے آپ کو میدان سے نکلنے کی پیشکش کی۔ اسی مقصد سے معاویہ نے دوسرے خلیفہ کے چھوٹے بیٹے عبید اللہ بن عمر کو میدان جنگ میں بھیجا اور اس کے ذریعے امام حسنؑ کو خلافت کا وعدہ دے کر میدان چھوڑنے کی تلقین کی۔ عبید اللہ نے امام حسنؑ کو جنگ میں مصروف پایا لیکن اس کے باوجود قریب آیا اور امام حسنؑ سے کہا"" :، امام حسنؑ نے جنگ ترک کر دی اور عبید اللہ کے قریب آئے۔ عبید اللہ نے معاویہ کا پیغام آپ کو پہنچایا تو امام مجتبیٰؑ نے کھرا سا جواب دیا اور فرمایا : **گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آج یا کل مارے جاؤ گے لیکن شیطان نے یہ کام تمہارے لئے خوبصورت بنایا ہے، اس دن تک جب شام کی عورتیں تیری لاش پر گریہ کریں، بہت جلد خداوند متعال تمہیں منہ کے بل زمین پر گرا دے گا اور تمہاری لاش منہ کے بل ہی زمین پر گھسیٹے گا۔** عبید اللہ اسی حال میں خیمے کی طرف لوٹا تو معاویہ نے اس کا چہرہ دیکھ کر امام حسنؑ کے جواب کا اندازہ لگا لیا اور کہا" : **بے شک وہ اسی باپ کا بیٹا ہے** "۔[86]

حضرت علیؑ نے حکَمیّت کے بعد فتنہ واقع ہونے اور عوام کے درمیان اختلاف پڑنے کا سد باب کرنے کے لئے امام حسنؑ کو بلوایا تا کہ آپؑ دلیل و برہان کے ساتھ خطبہ دے کر حقائق کو عوام کے سامنے رکھیں اور امام حسنؑ نے ایسا ہی کیا۔[87]

نہج البلاغہ میں درج خط نمبر اکتیس امام حسنؑ کے نام امام علیؑ کا معروف اخلاقی وصیت نامہ ہے جو امیر المؤمنینؑ نے صفین سے واپسی کے وقت حاضرین نامی علاقے میں تحریر فرمایا۔

امامت

امام علیؑ روز جمعہ 21 رمضان المبارک سنہ 40 ہجری کی شام کو ابن ملجم مرادی نامی خارجی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر گئے اور امام حسن مجتبیٰؑ نے مسلمانوں کی ہدایت و امامت کی ذمہ داری سنبھال لی اور کوفہ کے عوام نے بڑے بڑے گروہوں کی شکل میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امامؑ نے کارگزار اور والی اور امراء متعین کئے اور عبد اللہ بن عباس آپ کے فرمان پر بصرہ کے والی مقرر ہوئے۔ آپؑ 10 سال کے عرصے تک مسلمانوں کے امام تھے۔[88]

دلائل امامت

1۔ رسول اللہؐ سے منقولہ حدیث ابناي هذان امامان قاما او قعدا۔) میرے یہ دو بیٹے [حسن و حسین]، امام ہیں خواہ قیام کریں خواہ قیام نہ کریں)۔[89] امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر دلالت کرتی ہے۔ نیز حدیث ائمۂ اثنا عشر" :هم خلفائي يا جابر وأئمة المسلمين من بعدي أوّلهم علي بن ابي طالب ثمّ الحسن والحسين و...۔[90][91] ائمۂ اثنا عشر کے بارے میں رسول اللہؐ سے متعدد حدیثیں نقل ہوئی ہیں اور یہ حدیثیں امام حسن مجتبیٰؑ سمیت تمام ائمہؑ کی ولایت و امامت کی تائید کرتی ہیں۔[92][93][94][95] جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء کی آیت 59") يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ) ترجمہ :اے ایمان لانے والو! فرماں برداری کرو اللہ کی اور فرماں برداری کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں فرماں روائی کے حق دار ہیں] (نساء(" [59–؛نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے 12 ائمہ کے نام تفصیل سے بتائے جو اس آیت کے مطابق واجب الاطاعہ اور اولو الامر ہیں۔۔[96][97][98] امیر المؤمنینؑ سے مروی ہے کہ ام سلمہ کے گھر میں سورہ احزاب کی آیت 33") إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً) ترجمہ :اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر گناہ کو دور رکھے اے اس گھر والو! اللہ تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے] (احزاب("[33–؛نازل ہوئی تو پیغمبرؐ نے بارہ اماموں کے نام تفصیل سے بتائے اور فرمایا کہ وہ اس آیت کا مصداق ہیں۔[99][100] عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نعثل نامی یہودی نے رسول اللہؐ کے جانشینوں کے نام پوچھے تو آپؐ نے بارہ اماموں کے نام تفصیل سے بتائے۔[101]

2۔ امیر المؤمنینؑ نے اپنے وصیت نامے میں امام حسنؑ کی امامت پر تاکید فرمائی۔[102] امام علیؑ نے اپنے بیٹے حسن کو وصیت کی اور اپنے بیٹوں حسین، محمد بن حنفیہاور اپنے تمام فرزندوں، شیعہ عمائدین اور اپنے خاندان کو اپنی وصیت پر گواہ بنایا؛ اس کے بعد کتاب اور اسلحہ امام حسن کے سپرد کیا اور فرمایا" : **بیٹا !رسول اللہؐ نے مجھے فرمان دیا کہ تمہیں اپنا وصی قرار دوں اور اپنی کتب اور اسلحہ تمہارے سپرد کروں، جس طرح کہ رسول اللہؐ نے مجھے اپنا وصی قرار دیا اور اپنی کتابیں اور اسلحہ میرے حوالے کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ہدایت کروں کہ جب اپنے وجود میں موت کی نشانیاں دیکھو تو یہ امانتیں بھائی حسینؑ کے سپرد کرو"**۔[103]

3۔ آپؑ کی امامت پر رسول اللہؐ اور خاندان رسولؐ کا اجماع۔[104]

4۔ عصمت اور افضلیت امامت کے شرائط میں شامل ہے۔ امام حسنؑ کے زمانے میں آپؑ ہی ان صفات کے حامل تھے۔[105]

خلافت سے صلح تک

امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد لوگ امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے لپکے۔ آپؑ منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ دیا۔ خطبے کے اختتام پر عبداللہ بن عباس نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا۔ امامؑ نے عراقیوں کی بیعت اس شرط پر قبول کرلی کہ آپؑ جس کے ساتھ بھی جنگ لڑنا چاہیں، وہ لڑیں گے اور جس کسی کے ساتھ صلح کرنا چاہیں وہ بھی صلح کرلیں۔[106][107] معاویہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار بعض لوگوں نے امامؑ کے کلام سے یہ

سمجھا کہ گویا آپؑ معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔[108] انھوں نے امام حسین سے رجوع کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ "میں اپنے بھائی کا فرمانبردار ہوں"؛ اسکے بعد وہ دوبارہ امام حسنؑ کے پاس واپس آئے اور بیعت کی۔ یوں مسلمانوں نے عراق، حجاز اور ایران سمیت مختلف سرزمینوں کے مسلمانوں نے حسن بن علیؑ کی خلافت کو تسلیم کیا؛ لیکن معاویہ کے زیر اثر شام کی عوام بیعت کرنے والوں میں شامل نہیں تھی۔[109][110][111]

بعض روایات کے مطابق امام حسنؑ نے والد کی شہادت اور اپنی بیعت کے بعد 50 روز تک جنگ یا صلح کے سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کیا۔[112] بیعت کے بعد امامؑ کا سب سے پہلا اقدام یہ تھا کہ آپؑ نے اپنے فوجیوں کی تنخواہ میں 100٪ اضافہ کیا۔[113]

معاویہ سے جنگ

معاویہ کو امام علی کی شہادت اور آپؑ کے فرزند امام حسنؑ کے ساتھ لوگوں کی بیعت کی خبر ملی تو اس نے دو افراد جاسوسی اور لوگوں کو امام حسنؑ کے خلاف مشتعل کرنے کی غرض سے کوفہ اور بصرہ روانہ کئے۔ امام حسنؑ کے حکم پر ان دونوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچایا گیا۔ امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان خطوط کا تبادلہ ہوا اور ان خطوط میں امام حسنؑ نے خلافت کے لئے اپنا استحقاق ثابت کر دیا۔[114] امام حسنؑ نے معاویہ کو لکھا کہ ہتھیار ڈال دے تو معاویہ نے جوابا لکھا: "لشکر شام کے آگے ہتھیار ڈالنے کی صورت میں آپؑ کو عراق کے اموال میں سے-جتنا چاہیں-اٹھانے کی اجازہ ہوگی اور معاویہ کی چل بسنے کی صورت میں خلافت کا عہدہ آپؑ ہی کو ملے گا۔[115][116][117]

عراقی عوام کی بیعت اور حجاز، یمن اور فارس کی ضمنی تائید نیز معاویہ کو دیئے گئے امامؑ کے دوٹوک جواب پانے کے بعد، اقتدار پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھنے والے معاویہ کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوا،[118] اپنے کارگزاروں سے، خطوط لکھ کر، تقاضا کیا کہ عراق کے خلاف جنگ میں اس کا ساتھ دیں۔ اس نے عراق کی طرف پیشقدمی کا آغاز کیا اور لشکر کی قیادت خود سنبھالی اور ضحاک بن قیس فہری کو اپنے دارالحکومت میں اپنا جانشین قرار دیا۔ معاویہ کے لشکر میں جنگجوؤں کی تعداد 60000 اور بعض اقوال کے مطابق اس سے بھی زیادہ تھی۔[119][120] معاویہ کی سپاہ نے دریائے فرات پر پل مَنْبج کو پار کیا تو امام حسنؑ نے کوفیوں کو حکم دیا کہ جہاد کی تیاری کریں اور حجر بن عدی کو عوامی لام بندی کی ذمہ داری سونپ دی،[121] مختلف علاقوں کے امراء کو آپؑ کا فرمان پہنچانے اور جہاد کی دعوت دینے کے لئے روانہ کیا۔ دعوت وصول کرنے والوں نے ابتدا میں سستی برتی مگر آخر کار روانہ ہوئے۔[122] امامؑ نے مغیرۃ بن نوفل کو کوفہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود نُخَیلہکی طرف روانہ ہوئے۔[123]

سپاہ کوفہ کی جنگ کی طرف عزیمت کے ساتھ ہی امامؑ ساباط مدائن میں اپنی سپاہ سے جاملے اور ایک خطبے کے ضمن میں لوگوں کو اتحاد اور یکجہتی اور یک دلی کی دعوت دی اور اصلاح ذات البین کو تفرقہ اور کینے اور دشمنی سے بہتر قرار دیا۔ بعض لوگوںلے ایک بار پھر امامؑ کے کلام کی اپنی سی تاویل کرتے ہوئے یہی سمجھا کہ گویا آپؑ معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور انھوں نے امامؑ پر کفر کا الزام لگایا!!!! اور آپؑ کے خیمے پر حملہ کیا اور بہت سے لوگ آپؑ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔[124][125]

امامؑ نے معاویہ کو عراق سے دور کرنے کی غرض سے[126] عبید اللہ بن عباس 12000 افراد کا لشکر دے کر [127] روانہ کیا۔ عبید اللہ بن عباس نے " مَسکِن " کے علاقے میں پڑاؤ ڈالا اور اس کو وہیں دشمن کا سامنا کرنا پڑا۔ عبید اللہ بن عباس جس کے دو بیٹوں کو معاویہ کے کارندے بسر بن ارطاۃ نے یمن میں شہید کر دیا تھا [128] [[ادھر معاویہ نے عبید اللہ بن عباس کو خط لکھ کر ظاہر کیا کہ امامؑ نے اسے صلح کی پیشکش کی ہے اور اگر وہ فوری طور پر معاویہ کی طرف جائے گا تو بہت سارا مال اور سرکاری منصب پائے گا چنانچہ عبید اللہ مال و منصب اور دنیاوی مفاد کی خاطر دو تہائی لشکر لے کر[129][130] امامؑ سے غداری کر کے رات کی تاریکی میں معاویہ کی لشکر گاہ میں بھاگ گیا۔ مسکن سے عبید اللہ کے فرار کی وجہ سے امامؑ کی لشکر گاہ میں بد دلی پیدا ہو گئی اور یہ صورت حال " مدائن "تک بھی سرایت کر گئی اور رفتہ رفتہ کمر توڑ مصیبت میں بدل گئی۔[131]

دوسری طرف سے معاویہ نے اپنے جاسوسوں کے توسط سے لشکر عراق میں افواہ اڑائی کہ عبید اللہ بن عباس کا جانشین اور عراقی لشکر کا موجودہ کمانڈر مارا گیا ہے۔ یہ افواہ سن کر لشکر میں شامل افراد نے ایک دوسرے کے اموال لوٹنا شروع کیا اور لوٹ مار کا یہ سلسلہ امامؑ کی خیمہ گاہ تک بھی پہنچا یہاں تک کہ انھوں نے قالیچے کو بھی امامؑ کے پیروں کے نیچے سے کھینچ لیا اور آپ کے کندھوں سے ردا تک کھینچ لی۔[132] معاویہ، نے مغیرہ بن شعبہ، عبد اللہ بن عامر اور عبد الرحمن بن حکَم کو امام حسنؑ کے پاس بھجوایا جو مدائن میں امامؑ سے ملنے کے بعد باہر جاتے ہوئے کہہ رہے تھے: خداوند متعال نے فرزند رسول خداؐ کے وسیلے سے خون کو محفوظ کیا اور فتنے کی آگ بجھا دی اور آپؑ نے صلح کی تجویز قبول کر لی۔ لوگوں نے یہ باتیں سن کر امام حسنؑ پر حملہ کیا اور آپ کے خیموں میں جو کچھ تھا لوٹ لیا اور غارت کر کے لے گئے۔[133] [گویا معاویہ کے ایلچیوں کی نیت بھی یہی تھی]۔ لشکر میں شامل افراد کے حوالے سے امام حسنؑ کے مصائب یہیں ختم نہیں ہوئے بلکہ منحرفین اور خوارج نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور آپ پر تین مرتبہ قاتلانہ حملہ کیا گیا لیکن تینوں مرتبہ بال بال بچ گئے۔[134]

لوگوں میں جنگ سے اکتاہٹ کا احساس، اپنی اور شیعیان آل رسولؐ کی جانوں کی حفاظت، لوگوں کی طرف سے امامؑ کی عدم حمایت، خونریزی کا راستہ روکنا، دین کا تحفظ، خوارج کے خطرات اور غیر متوازن لشکر وہ اسباب ہیں جنہیں صلح امام حسنؑ کے اسباب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ان سارے واقعات کے زیر اثر کئی عراقی قبائل نے خطوط لکھ کر معاویہ کی حمایت کی۔ ادھر معاویہ نے قیس بن سعد -جو عبید اللہ کے بعد لشکر عراق کے سپہ سالار بن چکے تھے- کو بھی مال و منصب کے وعدوں سے ورغلانے کی کوشش کی لیکن انہیں فریب دینے میں ناکام ہوا۔[135][136][137] ان ہی حالات میں معاویہ نے اپنے دو نمائندے صلح کی غرض سے امام حسنؑ کی طرف روانہ کئے۔

معاویہ کے ساتھ صلح

معاویہ نے دو نمائندے صلح کی تجویز دینے کے لئے امام حسنؑ کے پاس روانہ کئے۔ ان نمائندوں نے بیان کیا کہ "خونریزی کا سد باب کرنا چاہئے" اور امامؑ کو صلح کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا کہ خلافت کا منصب معاویہ کے بعد امامؑ کو ملے گا۔ معاویہ نے ان افراد کے ہاتھوں ایک ایک سفید کاغذ امام حسنؑ کے لئے ارسال کیا تھا جس پر اس نے اپنی مہر ثبت کی تھی تا کہ امامؑ جو چاہیں اس پر لکھیں۔[138][139][140]

صلح کے نکات تاریخ و حدیث کے مختلف مآخذ میں نوعیت اور تعداد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔[141][142][143][144][145] بلاذری کی نقل کے مطابق، درج ذیل شرائط کے ساتھ معاویہ کو زمام حکومت سونپا گیا۔ اس صلح کے نکات درج ذیل ہیں:

1. معاویہ کتاب خدا، سنت نبویہ اور خلفائے صالح کی سیرت اور روش کے مطابق عمل کرے گا۔
2. معاویہ کسی کو اپنے بعد ولیعہد کے طور پر معین نہیں کرے گا اور اس کے بعد اختیار مسلمانوں کی شوری کے سپرد کیا جائے گا۔
3. لوگوں کا جان و مال اور ان کی اولاد۔ چاہے وہ جہاں بھی ہوں۔ محفوظ ہونگے۔
4. معاویہ اعلانیہ اور نہ ہی خفیہ طور پر کسی بھی صورت میں حسنؑ کے خلاف کوئی سازش اور فتنہ انگیزی نہیں کرے گا اور اس کے اصحاب اور پیروکاروں کو پریشان نہیں کرے گا۔

عبداللہ بن حارث اور عمرو بن سلمہ اس صلح نامے کے گواہ ہیں۔[146][147]

وقتِ صلح کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں؛ منجملہ ربیع الاول یا جمادی الاول یا جمادی الثانی سنہ 41ھ ق۔[148][149] مسعودی نے اپنی کتاب التنبیہ والاشراف میں ربیع الاول کو زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح گردانا ہے۔[150]

صلح سے شہادت تک

امام حسن صلح کے بعد مدینہ چلے گئے اور مدینہ میں آپ علمی، دینی، معاشرتی اور سیاسی مرجعیت کے حامل تھے۔ آپ نے مدینہ اور دمشق میں معاویہ اور اس کے حامیوں کے خلاف موقف اپنایا اور معاویہ کے ساتھ کئی بار مناظرے کئے جنہیں طبرسی نے اپنی کتاب الاحتجاج میں جمع کیا ہے۔[151]

امام حسنؑ نے مسلمانوں کی جان کے تحفظ اور دین کا پرنور چہرہ مخدوش ہونے سے بچانے کی خاطر، معاویہ کے ساتھ معاہدہ صلح پر دستخط کئے تو آپؑ نے اپنی حیات طیبہ کے دشوار ترین دور کا آغاز کیا؛ دوستوں کی ملامت، سیاسی روابط کی رعایت، بیان نا ہونے والے والے حالات میں شیعیان اہل بیت کی امامت کے بہت سے دوستوں کی شہادت یا دور ہو جانا، اس دور کی سختیوں میں شامل ہیں۔

امام حسنؑ کی حیات طیبہ کا یہ دور، ظاہری گوشہ نشینی اور خانہ نشینی کے باوجود آن جنابؑ کی زندگی کا مؤثر ترین اور دشوار ترین دور سمجھا جاتا ہے کیونکہ ایک طرف سے شیعوں کی امامت کی ذمہ داری آپ(ع) کے دوش پر تھی اور دوسری طرف سے نئی سیاسی صورت حال اور معاویہ کے ساتھ روابط میں آنے والی تبدیلیاں، آپؑ کو شیعیان آل رسولؐ کے مسائل دیکھنے اور حل کرنے میں مشکل سے دوچار کر رہی تھیں۔

امام حسنؑ صلح کے بعد لوگوں کے درمیان حاضر ہوئے اور ایک خطبے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا: **معاویہ نے آپؑ کے مسلّمہ حق میں آپؑ کے ساتھ نزاع کیا ہے** اور صلح کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا: **میں نے لوگوں کی جان کے تحفظ اور خونریزی کا راستہ روکنے کے لئے صلح کرلی۔**[152][153] معاویہ نے بھی صلح کے بعد اور کوفہ میں اپنی پہلی موجودگی کے وقت، خطاب کرتے ہوئے امامؑ کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیمان کو

مکمل طور پر پامال کر کے رکھ دیا اور دعوی کیا کہ امام حسنؑ صلح کے خواہاں تھے اور پھر امیر المؤمنینؑ کے خلاف زبان درازی کی جس کے بعد امام حسنؑ نے خطبہ دیتے ہوئے معاویہ کے ساتھ صلح کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا اور فصیح و بلیغ کلام سے معاویہ کو اپنے والد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی توہین کا جواب دیا۔[154][155]

معاویہ امامؑ کی منزلت سے آگاہ تھا چنانچہ بظاہر آپؑ کی حرمت کا خیال رکھتا تھا؛ بطور مثال ایک بار-جب زیاد بن ابیہ کوفہ کا والی تھا-تو معاویہ نے اس کی طرف سے امامؑ کے ایک صحابی کو آزار و اذیت پہنچائے جانے پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے، ایک خط کے ذریعے اس کو غیر شائستہ اور نازیبا حرکتوں سے باز رکھا۔ ایک دفعہ زیاد نے امامؑ کے خط کا جواب نازیبا انداز سے دیا تھا تو آپؑ نے اس کے خط کا تاریخی جواب دینے کے ساتھ ساتھ، معاویہ کو بھی واقعے سے آگاہ کیا تھا اور معاویہ نے امامؑ کے مطالبے کے مواقق، زیاد کی شدید مذمت کی۔

امامؑ کی تنقید کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ معاویہ اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کے اقتدار کے لئے ماحول فراہم کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا؛ اور یہ مسئلہ امامؑ کی کڑی تنقید کا نشانہ بنا کیونکہ آپؑ ہرگز راضی نہیں ہو سکتے تھے کہ ایک لا ابالی شرابخور نوجوان شخص کو ایک عظیم مسند پر بٹھایا جائے اگرچہ امامؑ نے معاویہ کی نسبت آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کا کردار ادا کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھائی؛ حتی کہ بعض مواقع پر معاویہ کو قرآن و سنت رسولؐ کی پیروی کی دعوت دیتے تھے۔[156]

جب کہ امام معصوم کی تنقید کا معاویہ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور آپؑ کے مطالبات کو توجہ نہیں دی جاتی تھی لیکن آپؑ کا رویہ معاویہ کی حیات تک مقابلے پر مبنی نہیں تھا اور اسی بات پر تاکید فرمایا کرتے تھے۔ امامؑ نے کوفہ سے مدینہ جاتے ہوئے اپنے اصحاب کو دعوت دی کہ مناسب وقت کے لئے تیاری کریں۔[157]

ایک دفعہ جب ہوازن کے کچھ لوگوں نے "ستورد بن عُلفہ" کی قیادت میں معاویہ کے خلاف خروج کیا اور معاویہ جنگ کی تیاری کرنے لگا تو اس نے امام حسنؑ سے اپنی تائید و حمایت کی درخواست کی؛ وہ درحقیقت امامؑ کے اپنے ساتھ کھڑا کرنا ضروری سمجھتا تھا لیکن امامؑ نے نہایت فہم و ذکاوت کا ثبوت دیتے ہوئے، کافروں کے خطاکاروں سے جدا کرنے کے سلسلے میں امیر المؤمنینؑ کے کلام سے استفادہ کیا[158] اور معاویہ کی پیروی اور اس کی درخواست قبول کرنے کو ضروری نہیں سمجھا جبکہ آپؑ کے اس موقف سے معاویہ کے ساتھ روابط کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔[159][160]

روایت ہے کہ معاویہ نے ظاہری طور پر قابل قبول رویہ اپنانے کے برعکس خفیہ طور پر شیعیان علیؑ کے تعاقب اور گرفتاری اور منبروں پر امیر المؤمنینؑ کی شان میں سب و شتم کرنے کے احکامات جاری کئے تھے۔ کوفہ میں زیاد بن ابیہ کی بحیثیت والی تعیناتی کا مقصد بھی یہی تھا۔

امامؑ کے اصحاب جن میں سے بعض صحابہ رسول کے زمرے میں شمار ہوتے تھے وہ معاویہ اور اس کے جیسے زیاد بن ابیہ جیسے والیوں کا رویہ دیکھ کر کبھی کبھی اعتراض کر دیتے تھے نیز وہ ہمیشہ حکومت کی طرف سے آزار و تشدد کا نشانہ بنتے تھے۔ عمرو بن حمق خزاعی کو اپنی عمر کے آخری عشروں میں جس طرز سلوک کا سامنا کرنا پڑا، اس حقیقت کی ناقابل انکار مثال ہے، عمرو نے معاویہ کے رویوں پر تنقید کی تو ان کی گرفتاری کے احکامات جاری

ہوئے اور کوفہ کے قید خانے میں شہید کئے گئے اور ان کا سر معاویہ کے لئے بھجوایا گیا اور بعض روایات کے مطابق، اسلام میں یہ پہلا سر تھا جو کسی حکمران کے لئے بھجوایا گیا۔[161][162][163]

امام حسنؑ کو اپنے نانا کے اور والد گرامی کے ساتھی اور صحابی جناب عمرو بن حمق کی شہادت کی خبر ملی تو ایک خط کے ذریعے معاویہ کی شدید مذمت کی۔[164] معاویہ کی عہد شکنی کے دیگر نمونوں میں حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اس کی بدسلوکی شامل ہے جو کوفہ میں معاویہ اور اس کے والی کے کرتوتوں پر تنقید کے نتیجے میں گرفتار اور دمشق روانہ اور آخر کار شہید کئے گئے۔[165] خلاف ورزیوں اور معاویہ کے ہاتھ قتل ہونے والے شہداء کی اس فہرست میں امیر المؤمنینؑ کے پارسا اور زاہد صحابی جناب رشید ہجری کا نام بھی درج ہوا ہے جنہیں صلح نامے کے نکات کے ضمن میں امام حسنؑ کی مرضی کے برعکس، شہید کیا گیا۔[166]

بحیثیت مجموعی، حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام کی حیات طیبہ کا آخری مرحلہ- حجاز اور دمشق کے درمیان کئی بار آمد و رفت پر مشتمل ہے۔[167] نہایت دشوار مرحلہ تھا اور امامؑ نے فہم اور صبر و استقامت سے اس مرحلے کو طے کیا اور عملی طور پر اپنے بھائی امام حسینؑ کی امامت کے لئے حالات فراہم کیا۔

بعض امویوں کا مقابلہ

- ابن زیاد
- عمرو بن عثمان
- عمرو بن عاص
- ولید بن عقبہ
- عتبہ بن ابو سفیان
- مغیرہ بن شعبہ
- مروان بن حکم

شہادت

قول مشہور کے مطابق امام حسنؑ کی شہادت سنہ 50 ہجری میں واقع ہوئی۔[168][169][170] آپؑ کی تاریخ شہادت سے متعلق زیادہ تر روایات سے صفر کے آخری ایام[171]، بطور خاص 28 صفر المظفر کا اشارہ ملتا ہے جبکہ بعض روایات میں 7 صفر المظفر کو[172]، حتی بعض میں ربیع الاول کے ایک دن کو[173] کو امامؑ کا روز وفات قرار دیا گیا ہے۔ شیخ مفید کے مطابق، امام حسنؑ شہادت کے وقت 48 سال کے تھے۔[174] اگرچہ روز وفات کے سلسلے میں اختلاف روایات کے تناسب سے آپؑ کی مدت عمر کے متعلق بھی اختلاف ہے۔[175]

زیادہ تر شیعہ اور سنی مآخذ کے نزدیک امام حسنؑ کو زہر دلوا کر شہید کیا گیا۔[176][177] اگرچہ بعض غیر شیعہ مآخذ میں کہا گیا ہے کہ امامؑ کی موت طبیعی تھی اور آپؑ بیماری کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔[178][179]

روایت کے مطابق معاویہ نے کسی شخص کو امام حسنؑ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے پاس روانہ کیا اور اس کو وعدہ دلوایا: "اگر تم حسن کو زہر دے دو تو میں تمہیں اپنے بیٹے یزید کے حبالۂ نکاح میں لاؤں گا"؛ معاویہ نے اس کے لئے ایک لاکھ درہم کی پیشگی رشوت بھی بھجوائی۔[180] چنانچہ جعدہ نے امامؑ کو زہر دیا اور معاویہ کی بجھوائی ہوئی رقم بھی اسے مل گئی[181]؛ لیکن معاویہ نے اسے یزید کے حبالہ نکاح میں لانے سے انکار کیا۔ ادھر محمد بن سعد زہری سے منقول ہے کہ امام حسنؑ اپنے کسی خادم کے ہاتھوں مسموم ہوئے ہیں۔[182] ایک اور نقل کے مطابق یہ عمل معاویہ کی ترغیب پر امامؑ کی زوجہ سہیل بنت عمرو کے ہاتھوں انجام پایا[183] بلاذری نے امام حسن کی ازواج میں اس کا نام ہند بنت سہیل بن عمرو ذکر کیا تھا[184]۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس دور میں معاویہ امام حسنؑ کو اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا، لہذا معاویہ کی ترغیب پر جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں آپؑ کی شہادت کی روایت زیادہ معتبر نظر آتی ہے۔[185]

معاویہ نے کئی بار امام حسنؑ کو زہر لوا کر قتل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔[186][187][188] یعقوبی لکھتے ہیں: "امام حسنؑ نے شہادت کے وقت اپنے بھائیامام حسینؑ سے فرمایا: **مجھے تیسری مرتبہ زہر دیا گیا ہے لیکن اس بار میری مسمومیت پہلے کی مانند نہیں ہے، اور میں آج دنیا سے اٹھنے والا ہوں، پس جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے نانا رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کرنا، کیونکہ کوئی بھی میرے نانا سے قربت کے حوالے سے مجھ سے زیادہ اہلیت نہیں رکھتا، سوا اس کے کہ آپ کو اس کام سے روکا جائے؛ کہ اگر آپ کو روکا گیا تو ایک حجامت جتنی خونریزی سے بھی پرہیز کرنا**"۔[189]

تدفین

شیخ طوسی کی منقولہ روایت کے مطابق[190] امام حسنؑ نے بھائی امام حسینؑ کو وصیت کی تھی کہ آپؑ کو مدفن رسولؐ میں سپرد خاک کریں۔ لیکن اگر کسی نے اس اقدام کے سامنے رکاوٹ ڈالی تو ہرگز اصرار نہ کریں اور ہرگز خونریزی نہیں ہونی چاہئے۔ ایک دوسری نقل کے مطابق امام حسنؑ نے وصیت کی تھی کہ غسل کے بعد آپؑ کی میت تجدید عہد کی غرض سے رسول اللہؐ کے پاس لے جائیں اور پھر آپؑ کی دادی فاطمہ بنت اسد کے پہلو میں دفنا دیں۔[191]

میت کو زیارتِ قبر رسولؐ کے لئے لایا جانے لگا تو مروان ایک ہزار افراد کی سرکردگی میں موقع پر حاضر ہوا اور زیارت کے مراسمات میں رکاوٹ بنا۔[192] ابو الفرج اصفہانی کی روایت کے مطابق اس عمل میں عائشہ بھی مروان کا ساتھ دے رہی تھیں؛[193] لیکن عائشہ سے منقولہ روایت کے مطابق، جب انھوں نے حالات کا یہ رخ دیکھا تو انھوں نے حالات زیادہ خراب ہونے کا سد باب کرنے کی غرض سے امام حسنؑ کو رسول خداؐ کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیا۔[194] آخر کار امام حسینؑ نے بھائی کی میت کو قبرستان بقیع میں سپرد خاک کیا۔[195]

ایک روایت کے مطابق، امام حسنؑ شہید ہوئے تو امام حسینؑ نے میت کو قبر رسولؐ کی طرف لے کر گئے تا کہ اپنے نانا کے ساتھ تجدید عہد کریں۔ عائشہ، مروانا اور بنی امیہ میں سے ان کے حامی۔جو سمجھ رہے تھے کہ امام حسینؑ بھائی کو رسول اللہؐ کے پہلو میں دفنانا چاہتے ہیں۔ مسلح ہو کر سامنے آئے تا کہ امام حسنؑ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیں۔ قریب تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان لڑائی چھڑ جائے؛ لیکن ابن عباس نے جھگڑا نہیں ہونے دیا۔یوں امام حسنؑ کی میتبقیع منتقل کر کے اپنی دادی فاطمہ بنت اسد)س) کے پہلو میں سپر د خاک کی گئی۔[196]

مروی ہے کہ مدینہ کے حاکم سعید بن عاص نے امام حسینؑ کی درخواست پر، امامؑ کی نماز میت ادا کی؛[197] لیکن روایت ہے کہ امام معصوم کو امام معصوم ہی غسل دے سکتا ہے اور امام معصوم پر امام ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ احتمال قوی یہ ہے کہ امام حسینؑ نے پہلے ہی بھائی کی نماز جنازہ ادا کی تھی؛اور قبرستان بقیع میں بطور تقیہ سعید بن عاص کو تکلفا نماز میت پڑھنے کی دعوت دی اور انھوں نے یہ دعوت قبول کی ہے۔[198]

خصوصیات اور فضائل

مفصل مضامین :اہل البیت علیہم السلام، اصحاب کساء، مباہلہ، آیت تطہیر اور حدیث ثقلین

امام حسنؑ کردار، طرز سلوک اور شباہت کے لحاظ سے رسول اللہؐ کے ساتھ سب سے زیادہ شباہت رکھتے تھے۔[199] رسول اللہؐ نے امام حسنؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا"۔[200] امام حسنؑ کا قد متوسط اور ریش مبارک گھنی تھی[201] جسے آن جناب سیاہ رنگ سے خضاب کرتے تھے۔[202]

امام حسنؑ اصحاب کساء میں سے ایک ہیں [204][203] اور رسول اللہؐ مباہلہ کے موقع پر امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ)س) کو بھی خدا کے حکم سے، اپنے ساتھ لے گئے۔[206][205] آیت تطہیر امام حسنؑ اور اہل بیتؑ کے دیگر افراد کے لئے عظیم فضیلت کا ثبوت ہے۔[207]

امام حسنؑ 25 مرتبہ پیدل حج بیت اللہ مشرف ہوئے اور آپ نے تین مرتبہ اپنا پورا مال راہ خدا میں تقسیم کیا یہاں تک کہ آپ نے اپنے جوتے بھی بخش دیئے اور اپنے لئے صرف چپلیں رکھ لیں۔[210][209][208]

حوالہ جات

1) اربلی، کشف الغمۃ، ج2، ص289۔

2) حاج منوچہری، فرامرز، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج20، مدخل امام حسن(ع)، ص532۔

3) المفید، الارشاد، ۱380، ج۲، ص3.

4) مفید، الارشاد، 1380، ج2، ص3۔

5) شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج6، ص40

6) کلینی، الکافی، بیروت 1401، ج1، ص461۔

7) مقدسی، کتاب البدء والتاریخ، پاریس، ج5، ص20

8) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، بیروت، ص158۔

9) ؛کلینی، الکافی، بیروت 1401، ج1، ص461۔

10) شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج6، ص39۔

11) ابن حنبل، مسند، ج6، ص391۔

12) ترمذی، سنن الترمذی، ج3، ص36۔

13) ابن بابویہ، علی بن حسین، الامامہ والتبصرۃ من الحیرۃ، ج2، ص42

14) نسائی، احمد بن علی، سنن النسائی، ج4، ص166۔

15) کلینی، الکافی، بیروت 1401، ج6، ص32-33۔

16) حاکم نیشابوری، المستدرک علی الصحیحین، ج4، ص237۔

17) کلینی، الکافی، بیروت 1401، ج6، ص33-34

18) ابن حنبل، المسند، ج1، ص98، 118۔

19) بخاری، الادب المفرد، ص177۔

20) ابن بابویہ، علل الشرایع، نجف 1385-1386، ج1، ص137-138۔

21) طوسی، الامالی، 1414، ص367-368

22) ابن عساکر، تاریخ مدینہ الدمشق، ج13، ص171

23) ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج2، ص10

24) ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج13، ص170

25) حاکم نیشابوری، المستدرک علی الصحیحین، ج3، ص165

26) شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج2، ص25

27) صدوق، امالی، ص134۔

28) برائے نمونہ: ابن قتیبہ، المعارف، ص211۔

29) مفید، الارشاد، بیروت1414، ج2، ص5۔

30) ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج13، ص172۔

31) خصیبی، حسین بن حمدان، الھدایہ الکبری، ص183۔

32) راوندی، القاب الرسول وعترتہ، ص247-248۔

33) ابن ابی الثلج، تاریخ الائمہ، ص28۔

34) ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، قم، ج3، ص172-173۔

35) اربلی، کشف الغمہ، ج2ص296۔

36) ابن طلحہ شافعی، مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ج2، ص9۔

37) عزت وقدرت اللہ کے لئے ہے: کلینی، الکافی، ج6ص474۔

38) صدوق، عیون اخبار الرضا، ج2ص56۔

39) خدا ہی میرے لئے کافی ہے: کلینی، وہی ماخذ، ص473۔

40) بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق، ج4، ص253۔

41) ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، نجف1367، ج3، ص199۔

42) مجلسی، بحار الانوار، بیروت1403، ج44، ص169۔

43) مقدسی، البدء والتاریخ، قاہرہ، ج5، ص74۔

44) مجلسی، بحار الانوار، بیروت1403، ج44، ص173۔

45) بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق، ج3، ص20۔

46) مجموعہ مقالات ہمایش سبط النبی، ج1، ص71۔

47) دیکھئے: یعقوبی، ج2ص228؛ مفید، الارشاد، ج2ص20؛ ابن صوفی، ص19 اور بعد کے صفحات؛ بخاری، سہل، ص5؛ ابن شہر آشوب، مناقب ج3 ص192؛ ابن عنبہ، ص68؛ بحوالہ حاج منوچہری، فرامرز، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج20، مدخل امام حسن (ع)، ص545۔

48) زمانی، حقایق پنہان، ص338۔

49) مفید، الارشاد، ج2، ص16۔

50) مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفا، بیروت، 1403ق، چ دوم، ج44، ص163۔

51) طبرسی، فضل بن الحسن، اعلام الوری، دار التعارف للمطبوعات، بیروت1406ق، ص212۔

52) سبط ابن جوزی، تذکرہ الخواص، مؤسسہ اھل البیت، بیروت1401ق، ص194۔

53) مصعب بن عبداللہ، کتاب نسب قریش، چاپ لوی پرووانسال، قاہرہ1953، ص50۔

54) المجدی فی أنساب الطالبیین، ص202۔

55) بلاذری، انساب الاشراف، ج4، ص159۔

56) محمد بن سعد، الطبقات الکبری، تحقیق محمد عبد القادر عطا، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1410، ج1، ص245۔
57) ابن عبد البر قرطبی، الاستیعاب، تحقیق عادل احمد عبد الموجود، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415، ج1، ص384۔
58) دیلمی، شیخ حسن، غرر الأخبار و درر الآثار، قم، دلیل ما، ص268۔
59) بخاری، صحیح بخاری، جلد2، ص432؛ سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، تحقیق: لجنہ من الادباء، توزیع دار التعاون عباس احمد الباز، مکہ المکرمہ، ص 206۔
60) سیوطی، جلال الدین، وہی ماخذ، ص207۔
61) سیوطی، وہی ماخذ۔
62) صدوق، امالی، ص333
63) سیوطی، وہی ماخذ۔
64) مجلسی، بحار الأنوار، ج37، ص73۔
65) جوینی، فرائد السمطین، ج2، ص68۔
66) سیوطی، تاریخ الخلفا، ص80۔
67) عاملی، تحلیلی از زندگی امام حسن مجتبی، ص170۔
68) ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ، ج1، ص30۔
69) ابن عبد البر، ج1، ص391۔
70) نیز دیکھئے: جوہری، السقیفۃ و فدک، پوری کتاب۔
71) دانشنامۂ بزرگ اسلامی، ج20، مدخل حسن (ع)، امام، ص534۔
72) مسعودی، مروج الذہب، ج1، ص698۔
73) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، قاہرہ، ج1، ص40 کے بعد۔
74) بلاذری، احمد، انساب الاشراف، 1394ق، ج2، ص216-217۔
75) مالقی، محمد، التمہید والبیان، ص119، 194۔
76) مقدسی، مطہر البدء والتاریخ، ج5، ص206۔
77) عاملی، جعفر مرتضی، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الحسن، ص140 اور بعد کے صفحات۔
78) دایرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج20، مدخل حسن (ع)، امام، ص534۔
79) الامین، السید محسن، اعیان الشیعہ، ج2، حققہ واخرجہ السید محسن الامین، بیروت: دار التعارف للمطبوعات، 1418ق/1998م، ص370۔
80) دانشنامہ رشد۔ مدخل امام حسن مجتبی علیہ السلام۔
81) جعفریان حیات فکری وسیاسی امامان شیعہ، ص124۔
82) مفید، الجمل، ص327
83) مفید، الجمل، ص348۔

84) قرشی، موسوعہ سیرۃ اہل البیت، ج10، ص403 پاورقی۔
85) قرشی، حیاۃ الحسن، ص219۔
86) قرشی، حیاۃ الحسن، ص218
87) قرشی، حیاۃ الحسن، ص245
88) المفید، الارشاد، ص350۔
89) مفید، الارشاد، قم: سعید بن جبیر، 1428ق، ص290۔
90) اربلی، کشف الغمہ، ج3، ص314۔
91) صدوق، محمد بن علی، کمال الدین و تمام النعمہ، ج1، ص253۔
92) مفید، الاختصاص، ص211۔
93) گلپایگانی، شیخ لطف اللہ صافی، منتخب الاثر، ص97۔
94) طبرسی، اعلام الوری باعلام الہدی، ج2، ص182-181۔
95) عاملی، اثبات الہداۃ بالنصوص والمعجزات، ج2، ص285۔
96) مجلسی، بحار الأنوار ج23 ص290۔
97) عاملی، اثبات الہداۃ ج3، ص123۔
98) ابن شہر آشوب، المناقب ابن شہر آشوب، ج1، ص283۔
99) مجلسی، بحار الأنوار ج36 ص337۔
100) خزاز رازی، علی بن محمد، کفایۃ الأثر، ص157۔
101) قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ (فارسی ترجمہ)، ج2، ص387-392، باب76۔
102) کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، ج1، ص298۔
103) کلینی، اصول کافی، ج1، ص297۔
104) شافعی، محمد بن طلحہ، مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ج3، ص141۔
105) شافعی، محمد بن طلحہ، طالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ج3، ص141۔
106) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، بیروت، ج1، ص183-184۔
107) بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص29۔
108) بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص29۔
109) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، ج1، ص140-141۔
110) شیخ مفید، الارشاد، ج2، ص7 اور بعد کے صفحات۔
111) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج4، ص283۔
112) بلاذری، ج3، ص29۔

113) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص64۔

114) مفید، الارشاد، ص350۔

115) بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص31۔

116) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج2، ص1311-1314۔

117) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص62، 64-67۔

118) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص68-69۔

119) قرشی، زندگانی امام حسن(ع)، ترجمہ فخر الدین حجازی، صص335-334۔

120) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج2، ص1315۔

121) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین 1408ق، ص69−70۔

122) مفید، الارشاد، ص351۔

123) قرشی، زندگانی امام حسن(ع)، ترجمہ فخر الدین حجازی، ص338۔

124) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج2، ص1315۔

125) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین 1408ق، ص71-72۔

126) مفید، الارشاد، ص354

127) قرشی، حیاۃ الحسن، ص338

128) قرشی، زندگانی امام حسن(ع)، ترجمہ فخر الدین حجازی، ص354

129) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، نجف 1385ق، ص42۔

130) ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، قاہرہ 1379ق، ج16، ص42−43۔

131) راضی آل یاسین، صلح الحسن، ص192۔

132) طبری، تاریخ طبری، ج4، ص122۔

133) یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ص142

134) قرشی، زندگانی امام حسن(ع)، ترجمہ فخر الدین حجازی، ص361

135) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج4، ص288−289۔

136) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص42-43۔

137) ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج16، ص43-44۔

138) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص37-42۔

139) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج2، ص1316-1317۔

140) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، 1408ق، ص72-74۔

141) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص42۔

142) ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج2، ص1318۔

143) مفید، الارشاد، ج2، ص14۔

144) شیخ صدوق، علل الشرایع، ج1، 212۔

145) ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج4، ص33-34۔

146) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص41-42۔

147) شہیدی، تاریخ تحلیلی اسلام، ص162۔

148) مسعودی، مروج الذہب، ج3، ص181۔

149) ابن اثیر، اسد الغابہ، ج2، ص14-15۔

150) مسعودی، التنبیہ والاشراف، ص300۔

151) طبرسی، الاحتجاج، ج2، صص65-45.

152) بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص43

153) ابن اعثم کوفی، الفتوح، (دار الأضواء، بیروت 1411ھ ق) ج2، ص293-294۔

154) طبری، تاریخ، ج4، ص124-125، 128-129

155) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، ص45 اور بعد کے صفحات۔

156) مجلہ، موسوعہ، 161-164۔

157) قرشی، حیاۃ الإمام الحسن (ع)، ج2، ص285-286۔

158) امام علی (ع)، نہج البلاغہ، خطبہ 61۔

159) صدوق، علل الشرایع، ج1، ص218-219۔

160) مجلسی، بحار الانوار، ج44، ص13۔

161) ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج4، ص623-624۔

162) ابن عبد البر، الاستیعاب، ج3، ص1173-1174۔

163) مقدسی، البدء والتاریخ، ج6، ص5۔

164) آل یاسین، صلح الحسن، ص471۔

165) طبری، تاریخ، ج4، ص198، ج5، ص108؛ ابن حجر، الاصابۃ، ج2، ص37-38۔

166) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج1، ص84۔

167) ابن عبد البر، الاستیعاب، ج1، ص387۔

168) مفید، الارشاد، 1414، ج2، ص15۔

169) شوشتری، رسالہ فی تواریخ النبی، ص33۔

170) نیز آپ (ع) کا سال شہادت کتب میں مختلف ہے جیسے: سنہ 48، 49، 51، 57، 58 اور 59ھ ق۔

171) کلینی، الکافی، بیروت، ج1، ص461۔

172) شہید اول، الدروس الشرعیہ، ج2، ص7۔

173) رجوع کریں: ابن قتیبہ، المعارف، ص212۔

174) مفید، الارشاد، 1414، ج2، ص15۔

175) رک: ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج13، ص298- 300، 302۔

176) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، 1408ق، ص80-81۔

177) مفید، الارشاد، 1414، ج2، ص15۔

178) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، بیروت، ج1، ص196۔

179) بلاذری، 1397ق، ج3، ص59۔

180) مفید، الارشاد ج2 ص13

181) مفید، الارشاد، 1380، ج2، ص15۔

182) ابن سعد، طبقات الکبری، ج6، ص386۔

183) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص55۔

184) بلاذری، انساب الاشراف، 1417ق دار الفکر، ج3، ص20۔

185) Madelung, The Succession T0 Muhamad, p.331

186) مفید، الارشاد، ص357۔

187) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص55۔

188) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، 1408ق، ص81۔

189) یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج2، ص154۔

190) شیخ طوسی، الامالی، 1414، ص160۔

191) شیخ مفید، الارشاد، 1414، ج2، ص17۔

192) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص60۔

193) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، 1408، ص82۔

194) بلاذری، انساب الاشراف، 1397ق، ج3، ص61۔

195) بلاذری، ایضا، ص66۔

196) مفید، الارشاد، قم: سعید بن جبیر، 1428ق، صص280-281۔

197) ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، 1408، ص83۔

198) رسولی محلاتی، زندگانی امام حسنؑ، ص452۔

199) اربلی، کشف الغمۃ، ج2، ص290

200) مجلسی، بحارالانوار، ج43، ص294.

201) ابن شہر آشوب، مناقب، ج4، ص28۔

202) ابن سعد، طبقات الکبری، ج6، ص379۔

203) صدوق، خصال، ج2، ص550۔

204) صدوق، عیون اخبار الرضا، آقا نجفی، ج1، ص55۔

205) علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج1، ص104۔

206) زمخشری، کشاف، ج1 ص368۔

207) علی بن ابراھیم قمی، تفسیر قمی، ج2، ص193۔

208) بیہقی، السنن الکبری، ج4، ص331۔

209) ترجمہ الامام علی(ع) من تاریخ دمشق ص142، ح236۔

210) منتخب فضائل النبی واہل بیتہ علیہم السلام من الصحاح الستہ وغیرہا من الکتب المعتبرۃ عند اہل السنہ، ص279۔